Title = Urdu shaairoon Ka
intikhabi silsi

Autha = Kamal sidiqui

ن = اردو شاعروں کا انتخابی سلسلہ

ف = کمال صدیقی

اردو شاعروں کا انتخاب

کمال احمد صدیقی

# میرا فن

میرے جذبات کی نوخیز کنواری کلیاں
جن کی ہر پتی پہ سوتی ہیں ہزاروں صدیاں
رنگِ خاکستر و خاشاک پہ جانے والے
ابدیّت کے خزانے بھی مقیّد ہیں یہاں

کچھ خزانوں ہی پہ موقوف نہیں ہے اے دوست
انگلیاں یہ تو بہاروں پہ بھی اٹھ جاتی ہیں

مجھ پہ اُٹھتی ہیں نگاہیں، مجھے کیا پرواہے
یہ تو اُٹھنے کو ستاروں پہ بھی اُٹھ جاتی ہیں

انھیں ہاتھوں سے تراشے ہیں ہزاروں افسوں
میرے ہاتھوں، مرے ٹھٹھرے ہوئے ہاتھوں کو نہ دیکھ
دیکھنا ہے تو مرے فن مرے شہ کار کو دیکھ

میں نگاہوں ہی سے جذبات جگا سکتا ہوں
میری افسردہ و یخ بستہ نگاہوں کو نہ دیکھ
میں جسے دیکھ رہا ہوں اسی دیوار کو دیکھ

یہ حصارِ مہ و انجم تو نہیں ہے جس کو
صبح کی پہلی کرن توڑ دیا کرتی ہے
کسی چشمے کا تلاطم تو نہیں ہے، جس کو
بادِ صرصر کی تھکن توڑ دیا کرتی ہے

# دو آوازیں

۱۔ داخلیت پرست
۲۔ حقیقت پسند

۱۔

میرے ماتھے پہ ہے پیشانیٔ مہتاب کا بل —
پلکیں جھپکاؤں تو بجھ جائیں ستاروں کے چراغ
ایک ہی پھونک میں گُل کر دوں بہاروں کے کنول
ایک ہی اشک سے بھر دوں گل و لالہ کے ایاغ

۲۔

تیرے ماتھے کی شکن کوئی بڑی چیز نہیں
تیرے کہنے سے تو پانی نہیں بن سکتا شراب
مُسکراہٹ ہو تری لاکھ دلآویز و حسیں،
ان سے مُرجھائے ہوئے پھول نہ ہونگے شاداب

۱۔

میرا غم میری مسرّت میں سمٹ آیا ہے
اپنی نظروں کے تقاضے سے کیا ہے محدود
ایک ویرانہ کو، جولانگہِ تخئیل و وجود
ہر اُفق اب مری فطرت میں سمٹ آیا ہے

۲۔

تیرا ماحول ترے ذہن کا پابند نہیں
خود فریبی ہے جو کانٹوں کو سمجھتا ہے گلاب
تجھ سے جب باز نہ ہو پایا غمِ زیست کا باب
ڈھونڈھ لی درد کی لذّت ہی میں تو نے تسکین

تو سمجھتا ہے چمن جس کو ہے ویرانۂ خواب
کیا یہ دنیا تری تخئیل کے ہے زیرِ نگیں؟
تو نے اوہام کی چوکھٹ پہ جھکائی ہے جبیں
حوصلہ ہے تو اٹھا چہرۂ ہستی سے نقاب

۱۔

جب کوئی رنگِ مسرّت نہ رہا آنکھوں میں
انھیں ہاتھوں سے بہاروں کو بھی تولا میں نے
جب کوئی اشکِ ندامت نہ رہا آنکھوں میں
انھیں ہاتھوں سے ستاروں کو بھی رولا میں نے

۲۔

تجھ کو بے سود ہے بند آنکھوں پہ اس درجہ یقین
تیرے آداب نہیں موسمِ گل کے آداب
تو مصوّر ہی سہی، یہ ترے فن کے آئین
کیسے بن سکتے ہیں تابندہ حقائق کا جواب

۱۔

خود کو ماحول کی ظلمت سے بچانے کے لئے
رنگ اور نور کی دیوار بنا لیتا ہوں
اپنے ماحول کو فردوس بنانے کے لئے
اپنی تخئیل کو شہ کار بنا لیتا ہوں

۲۔

رنگ اور نور کی دیوار تو ہے ایک نقاب
جس کو شہ کار سمجھتا ہے وہ شہ کار نہیں
کبھی ماحول بدلنے پہ لگا اپنا شباب
کہ یہ دنیا بنے غیرت دہِ فردوس بریں

# بسترِ مرگ کا رومان

سوچتا ہوں یہ بہاروں کی حسیں قوسِ قزح
کیا خبر ہے ترے جذبات کا آئینہ ہو
سوچتا ہوں یہ ترا تحفۂ رنگیں نہ کہیں
تیرے بہکے ہوئے لمحات کا آئینہ ہو

چشم و لب عارض و رخسار کی شہ ملنے پر
اپنے ماحول پہ چھا جانے کی جراءت کی ہے
کاکل و گیسو کا پہلے بھی رہا ہوں میں اسیر
میں نے پہلے بھی کئی بار محبت کی ہے

شوخی و غمزہ و انداز و ادا، عشوہ و ناز
مدتوں ان کا گرفتار رہا ہوں، میں بھی
حسن جس رنگ میں جس روپ میں جس حال میں ہو
اس کا گرویدہ، پرستار رہا ہوں میں بھی

بہ ایں قربت میں اشارہ بھی نہیں کر سکتا
اور تو اور ترا نام نہیں لے سکتا
مجھ پہ وارفتہ مزاجی کے ہیں لاکھوں الزام
تیرے عنوان کا الزام نہیں لے سکتا

بے خیالی میں بظاہر جو تو کہہ دیتی ہے
سوچی سمجھی ہوئی اس بات سے جی ڈرتا ہے
کشتۂ لطف و کرم بھی میں رہا ہوں اکثر
تیری بے وجہ عنایات سے جی ڈرتا ہے

مجھ کو حیرت ہے کہ تو اچھی طرح جانتی ہے
بسترِ مرگ بھی ہو سکتا ہے میرا بستر
میرا دامن بھی تہی ہے مرا ساغر بھی تہی
اور اس پر بھی یہ بارانِ کرم ہے مجھ پر

مجھ پہ مرکوز ہے کیوں تیری نگاہِ خود بیں
آئینہ تو نہیں میں تیری خود آرائی کا
سوچتا ہوں کہ تری سلسلہ جنبانی بھی
مشغلہ ہی نہ ہو تیرے لئے تنہائی کا

جب بھی اٹھتی ہیں کبھی تیری نگاہیں مجھ پر
تیرے ہونٹوں پہ تبسّم کی جھلک ہوتی ہے
میں نے محسوس کیا ہے کہ تری باتوں میں
ایک نو خیز ترنّم کی جھلک ہوتی ہے

دستِ خود دار کو بننا پڑے جب دستِ طلب
کس اذیّت میں پھر انساں کی بسر ہوتی ہے
اجنبی شہر کی تنہائی میں تو کیا جانے
دِق کے بیمار کی کس طرح بسر ہوتی ہے

میرے چہرے کی یہ شادابِ دلآویز کشش
تو نے سوچا ہے کبھی یہ بھی سنبھالا ہی نہ ہو
جس کو دے بیٹھی ہے تو اپنا دھڑکتا ہوا دل
زندگی سے وہ کہیں روٹھنے والا ہی نہ ہو

یہ مرے سوکھے ہوئے ہونٹ، یہ تیرے نزدیک
بادۂ کوثر و تسنیم کا سر چشمہ ہوں
تو مجھے شاعر و فنکار سمجھتی ہے مگر
آج میں دِق کے جراثیم کا سرچشمہ ہوں

صرف حسرت سے اسے دیکھ کے رہ جاتا ہوں
کس تمنا سے بڑھا ہے مری جانب ترا ہاتھ
موت اور زیست کی اس کشمکشِ پیہم سے
دے نہیں سکتی مجھے تیری محبّت بھی نجات

کیوں لگاتی ہے اسے ہونٹوں سے، یہ خالی ہے
ظرفِ ہستی ہوں یہ چھلکا ہوا، ڈرکا ہوا ظرف
میں بھی تیزی سے اسی طرح گھُلا جاتا ہوں
دیکھ وہ دور پہاڑوں پہ پگھلتی ہوئی برف

## تلاشِ حُسن

حسنِ تخئیل ہے پروردۂ حسنِ ماحول
جذب ہو جاتے ہیں شہ کارہیں تخئیل کے رنگ

صرف پروردۂ بادہ ہی نہیں مستیِ ذوق
حسن اجسامِ جواں ہی سے نہیں ہم آہنگ
نالہ و درد میں بھی شدتِ جذبات سے حسن
گریۂ غم میں بھی اک ساز ہے اک لے اک چنگ

نیل ہو دجلہ ہو جہلم ہو جمن ہو کہ ہو گنگ
میرے افکار کی لہروں کے یہ ساحل تو نہیں
تاج، اہرام، اجنتا، کہ کنم باڑی ہو
میری تخلیق ہیں لیکن مری منزل تو نہیں

منزلیں سیکڑوں مل جاتی ہیں راہوں میں مگر
کبھی آسودۂ منزل نہ ہوا ذوقِ سفر
فاصلے وقت کی رفتار کے پابند نہیں
اور ہر گام پہ ہوتا ہے یہ احساس یہ ڈر
جیسے منزل سے بہت دور رہا جاتا ہوں
کتنی تاریک ہے، سنسان ہے یہ راہگذر؟
جیسے ہوتا چلا جاتا ہے سفر اور دراز
کب تک آوارہ پھروں گا میں یونہی شام و سحر؟

اور گھبرا کے جو اٹھتی ہے تو ٹکراتی ہے

ہو کے ماحول سے بیزار ستاروں سے نظر
اور احساس یہ کہتا ہے ہمارے تو نہیں
یہ ستارے جو چمکتے ہیں ستارے تو نہیں
یہ تو جگنو ہیں جو راتوں میں چمک اُٹھتے ہیں
تیرہ و تار فضاؤں میں دمک اُٹھتے ہیں

حسنِ تیشہ سے جو اک بار سنور جاتا ہے
لعل و گوہر میں بھی تل جاتا ہے وہ پارۂ سنگ

# زنداں

یہ پیچ و خم مری تقدیر بن سکتے نہیں، لیکن
پہاڑوں کی یہ سطحیں کتنی ناہموار ہیں ہمدم

پہاڑوں کو ہے ناز اپنی اسی مغرور رفعت پر
سحر ہونے تو دو، چمکے گا سورج انکے اوپر بھی
یہ بر فیلی چٹانیں، سرد مہری ان پہاڑوں کی

مگر کچھ حادثے ہیں ان کو جو پگھلا ہی سکتی ہیں
یہ دیواریں کہ جن میں کوئی درّہ ہے نہ کوئی در
مگر کچھ ندّیاں تو پھر بھی باہر آ ہی سکتی ہیں

شکستہ سلسلے زنجیر بن سکتے نہیں لیکن
مرے زنداں کی دیواروں کے سائے ہو چلے مدھم

یہ کیوں اک جھنجھناہٹ گونج اٹھتی ہے پہاڑوں میں
ہوا کی کانپتی لہروں پہ اک طوفاں غزلخواں ہے
پہاڑی ندیوں کے شور میں اک گیت لرزاں ہے
ابھی کچھ بجلیاں کوندیں گی یخ بستہ فضاؤں میں

ادھورے نقش اک تصویر بن سکتے نہیں لیکن
نشیبِ کوہ میں سائے لرزتے ہیں کئی پیہم

پہاڑوں کے جگرِ سنگیں جگر میں ایک پھوڑا ہے
کسی دن پھوٹ ہی جائے گا یہ آتش فشاں بن کر

اشارے خواب کے تعبیر بن سکتے نہیں لیکن
مذاقِ آتشیں میرا مکمل ہو گیا ہمدم

بڑی مشکل سے میں نے اپنی زنجیروں کو توڑا ہے
زبردستی مجھے رہنا پڑا تھا میہماں بن کر

## وقت

وقت پھر وقت ہے ٹھکراؤں تو کیسے آخر
اسی ساغر میں ستارے بھی ہیں سیّارے بھی

یہی آغوشِ فنا ہے یہی آغوشِ حیات
یہی دامانِ تجلی یہی بحرِ ظلمات
اسی پردے میں ہیں روپوش وہ نظارے بھی
جن کے پرتو سے عبارت ہے شعاعِ تخئیل
جس کی تابش سے فروزاں ہے متاعِ تخئیل
گل ونسریں کی بہاریں بھی ہیں انگارے بھی

اور یہ سیّارے یہ قطارے یہ انگارے کمال
بجھ تو جاتے ہیں، مگر جیسے مسرت میں خیال
بجھ تو جاتے ہیں پہ روپوش نہیں رہ سکتے
زندگی بھر تو فراموش نہیں رہ سکتے

یہ وہ لمحات پریشاں ہیں کہ جن کی خاطر
عرصہ ہائے اثرِ رنگ کے گہوارے بھی،
اُس فضا میں ہیں معلق جسے احساسِ جمال
کہا کرتا ہے، یہی وقت ہے، سیّاروں کا جال
وقت صرف ایک ہے ماضی ہے نہ فردا ہے نہ حال
گردشیں لاکھ کریں عہدِ فنا کو ظاہر ـــــ
وقت اگر ہے تو کوئی رنگ نہیں مر سکتا
کوئی ٹھکرایا ہوا سنگ نہیں مر سکتا!

وقت پھر وقت ہے، ٹھکراؤں تو کیسے آخر

# ایک خط کے جواب میں

ہاں نہیں تیری رفاقت کی ضرورت مجھکو
میری مونس مری ہمدم مری تنہائی ہے
خیر مقدم ترے جذبوں کا نہیں کرسکتا!
تونے کیوں میری محبّت کی قسم کھائی ہے

میرے نغموں کی پرستار تجھے کیا معلوم
میرے اشعار کی بازار میں قیمت کیا ہے
چند سکّے جو مرا پیٹ نہیں بھر سکتے
تیرے نزدیک مگر ان کی حقیقت کیا ہے

کیا مجھے تیری دعائیں یہاں لے آئی ہیں
چند سکّوں کے لئے میں نے وطن چھوڑا ہے
میری حالت کو اگر سمجھے تو بس سمجھے وہ غزال
آب و دانہ کے لئے جس نے ختن چھوڑا ہے

اپنے منصب کے تقاضوں سے میں گھبراتا ہوں
پھر مجھے کام دیا جاتا ہے فردوسی کا
ہائے اس عہد کا وہ شاعرِ بدبخت ہوں میں
جیسے انعام دیا جاتا ہے فردوسی کا

جن میں ہر لمحہ تمناؤں کا خوں ہوتا ہے
ان فضاؤں میں بھی جی لیتے ہیں جینے والے
تجھ کو معلوم نہیں، ساغرِ زہراب تو کیا
خون کے گھونٹ بھی پی لیتے ہیں پینے والے

پلش خیمہ ہی نہ ہو یہ مری بربادی کا
مجکو اس تیری نوازش سے بھی ڈر لگتا ہے
سرد اور گرم زمانے کے بہت دیکھے ہیں
اپنے شعروں کی ستائش سے بھی ڈر لگتا ہے

میرے شعروں کی پرستار، ابھی تک مجکو
ہر پرستار خریدار نظر آیا ہے
فائدہ اُس نے اُٹھایا مری مجبوری کا
جس کی آنکھوں میں مجھے پیار نظر آیا ہے

تو نے شاید ابھی چکّھا نہیں تلخابۂ زیست
تجکو معلوم نہیں شہد ہے کیا زہر ہے کیا
تیری دنیا ہے فقط عیش و طرب کی دنیا
تجکو سمجھاؤں میں کیسے کہ غمِ زیست ہے کیا

تو مرے عشق کا دم بھرتی ہے لیکن تجھکو
عشق مجھ سے نہیں خود اپنے ہی جذبات سے ہے
مفلسی میری بدل دے گی اسے نفرت میں
یہ عقیدت جو تجھے آج مری ذات سے ہے

ہاں نہیں تیری رفاقت کی ضرورت مجھکو
میری مونس مری ہمدم مری تنہائی ہے!

## تصوّر

شمعیں گل ہو گئیں فانوس بھی بے رنگ ہوئے
چند سایوں کے سوا کچھ بھی نہ تھی بزمِ نشاط

اب مرے پاس فقط چند تصوّر ہیں کمالؔ
وہ تصوّر ہیں کہ ہر چند نہیں جن کی بساط
بزمِ خوباں میں کوئی شمع فروزاں کر دیں
پھر بھی یہ میرے تصوّر یہ طلسماتِ خیال،
محفلِ زیست میں جب چاہیں چراغاں کر دیں

یہ تصوّر ہی تو سرمایۂ رخشندہ ہیں

بزمِ خوباں کی طرب خیزی و سرشاری کا
جن کی خاطر مرے جذبات ہم آہنگ ہوئے

ذہن آئینہ ہے احساس کی بیداری کا
اس میں جو نقش ہیں وہ زندہ و پائندہ ہیں

## پندرہ اگست

یہ آتشیں ہوائیں بھی شگفتگی کو جذب کرکے آئی ہیں
مہیب و تیرہ قید خانہ کے سیاہ در کلی کی طرح کھل گئے
مناظر حیات آفریں و حسن خیز
مناظر سحر فروز
جو مدتیں ہوئیں بچھڑ گئے تھے پھر نظر کو مل گئے

ہوائیں گنگنا اٹھیں
زمین و آسمان کی کائنات ناچنے لگی
حیات ناچنے لگی
حصار سوز ماہتاب و کہکشاں میں رات ناچنے لگی

فروغِ کامرانیِ نظر کی شہ جو پائی تو خیال بھی
نشاطِ رنگ سے، اشارے مانگنے لگے
فرازِ آسمانِ زندگی سے چاند مانگنے لگے
ستارے مانگنے لگے
قدم حدود سنگ و خشت و آہن و سلاسل و قیود سے
سہارے مانگنے لگے

میں سوتے سوتے جاگ اٹھا
کوئی جگانے آیا تھا
کوئی جگانے آئے گا
سحر تو ہونے دو ذرا

## ابنِ آدم

آئینہ خانۂ تخئیل میں رنگوں کی بہار
دیکھتے دیکھتے گھبرا کے چلا آیا ہوں

یہ عمارات محلات منارے اہرام
منزلیں ہیں جنھیں ٹھکرا کے چلا آیا ہوں

عالمِ خاک کو فردوس بنانے کے لئے
اپنے آدرش، ستاروں کے جہاں چھوڑے ہیں
سنگِ منزل ہیں مرے عہدِ گزشتہ کے فنون
میں نے ہر گام پہ قدموں کے نشاں چھوڑے ہیں

میرا ہی عکس افق تا بہ افق روشن ہے
میرے ہی خون سے روشن ہیں تمدن کے چراغ
میری نظروں میں ہیں تابندہ مہ و مہر و نجوم
میں نے بے نام ستاروں کے لگائے ہیں سراغ

## مہاتما گاندھی کی موت پر

اک دماغ
پرورش پاتی رہی جس میں حیاتِ انقلاب
موت کی تاریکیوں میں سو گیا
اور خونی انقلاب
لا نہ پایا اپنی کم ظرفی کی تاب

ایک سینۂ سینۂ مشرق بھی تھا
رات بھر جس میں نمو پاتا رہا تھا آفتاب
آج وہ سینہ بھی چھلنی ہو گیا
اور خونی آفتاب
بن گیا ہے سینۂ مشرق کا داغ

# اشارہ

یہ ہر اک سمت وحشت خیز ہنگاموں کی بیزاری
بہ یک پرواز کاش اُس منظرِ رنگیں پہ چھا جاؤں
میں خود بھی چاہتا ہوں زندگی کے آبگینے میں
کبھی دوشیزۂ رومان کے آنسو بھی چھلکاؤں

یہ کس کے ساز کی بیداریاں ہیں آبشاروں میں
اشارہ کر رہا ہے کون انگڑائی کے عالم کو
صدائیں گھنگھروؤں کی گونجتی ہیں کوہساروں میں
ہوئی ہیں جمع دوشیزائیں کس کے خیر مقدم کو

"اُلٹتے ہی رہو گے پردہ ہائے روز و شب کب تک؟
تمھیں ہے جستجو جس کی یہاں پر وہ مسّرت ہے
یہاں آؤ، یہاں کی نرم اور دلکش فضاؤں میں
تمھیں ہر منظرِ رنگیں پہ چھا جانے کی دعوت ہے"

نشاطِ رنگ در قص و نغمہ کو جاوید کر ڈالوں؟
طرب زارِ تخیّل کی فضا کا کیا سہارا ہے
خیال آیا کہ دل جلنے لگا آنکھیں دہک اُٹھیں
یہ انگاروں کی وادی سے مجھے کس نے پکارا ہے

محبّت ہے مجھے نوخیز اور دل کش نظاروں سے
چناروں، کوہساروں، آبشاروں، لالہ زاروں سے
شراب و شعر سے اور رقص و نغمہ کی بہاروں سے
حسیناؤں اور دوشیزاؤں کے رنگیں اشاروں سے

مری نظروں میں ہے نانِ شبینہ کی حقیقت بھی
ابھی جکڑی ہوئی ہے زندگی بجلی کے تاروں سے
میں آؤں گا، ضرور آؤں گا ہر منظر پہ چھا جانے
نکلنے دو ذرا محنت کو سونے کے حصاروں سے

# قیدی کا خواب

زندگی سوئے ہوئے ماحول پہ چھا ہی گئی
اور تھکن سے چور قیدی کو بھی نیند آ ہی گئی
اک تخیل گنگناتا تھا بہاروں کے قریب

پھولتی سرسوں کے کھیتوں کی ہر اک جانب بہار
اور فضائیں مرمریں بگلے قطار اندر قطار
جھونپڑی سے دور اور بجلی کے تاروں کے قریب

کھل گئے پژمردہ گالوں میں تبسّم کے گلاب
دیکھتے تھے عکسِ پیشانی میں لاکھوں آفتاب
زندگی خود رقص میں تھی ماہ پاروں کے قریب

ایک قیدی توڑ سکتا ہے فرارِ کامیاب
اس بلندی پر جہاں جانے سے گھبرائیں عقاب
جنّتیں خود کھنچ کے آئی تھیں اشاروں کے قریب

کھل گئی جب آنکھ تو خوابوں کی رعنائی گئی
آرزوؤں کی، تمنّاؤں کی برنائی گئی
چند سائے جھلملاتے تھے ستاروں کے قریب

# نویدِ بہار

زندگی موجِ مئے ناب کی مانند اُٹھی،
برف پگھلی تو چٹانوں کی رگوں میں دوڑی
منجمد دھاروں نے انگڑائی لی کہساروں میں
پھر بہار آگئی صحراؤں میں گلزاروں میں

آبشاروں کے خنک ساز رواں ہونے لگے
دشت و کہسار کے لب نغمہ فشاں ہونے لگے
لے اٹھانے لگا خاموش فضاؤں کا سکوت
وادیاں گونج اُٹھیں پازیب کی جھنکاروں سے

## یہ فضا کون چُرا لایا ہے سیّاروں سے

بانسری کی وہ مدھر تان وہ میٹھی آواز
دلِ انساں کی تمنّاؤں کا نوخیز گداز
دلِ گیتی کے دھڑکنے کی صدا بننے لگا
اس کے باوصف کہ پیراہن ہیں کئی رنگ جُدا
آدم و گیتی ہیں کس درجہ ہم آہنگی ہے
نکتۂ زیست سے اک ربط ہے یکرنگی ہے

عندلیبوں نے محبت کے ترانے چھیڑے
فرقتِ مہ کے چکوروں نے فسانے چھیڑے
جس طرح نوح کا طوفان گزر جانے پر
فاختہ امن کا پیغام لیئے آئی تھی
برگِ سرسبز کا انعام لیئے آئی تھی
آج بھی برف کا طوفان گزر جانے پر

صلح کا، آشتی و امن کا خوشحالی کا
تازہ میووں، نئے موسم، نئی ہریالی کا
ابنِ آدم کے لئے فاختہ لائی ہے پیام

آسماں صاف ہے، شفاف ہے نیلم کی طرح
غنچۂ گل پہ لرزتی ہوئی شبنم کی طرح
آفتاب اپنی شعاعوں میں لئے نورِ حیات
افقِ شرق سے اُبھرا ہے بہ اندازِ جمیل
یہی منزل کا نشاں ہے، یہی راہوں کی دلیل
ذہنِ انساں میں نہیں کشمکشِ وہم و یقیں
دھوپ سے دُھل کے ہر اک چیز ہوئی اور حسیں
ساقیِ مہر نے دنیا کو سنائی ہے یہ بات
کوئی تمئیز نہیں ہے مرے میخواروں میں
تشنہ لب آئیں، پئیں، خوب پئیں، خوب پئیں

یہ ہر اک سمت نظر خیز نظاروں کا سماں
جن کے دیکھے سے ہر اک جذبہ جواں ہوتا ہے
چہچہاتی ہوئی رنگین پروں کی چڑیاں
جن پہ گلمرگ کے پھولوں کا گماں ہوتا ہے
دیکھ لے قوسِ قزح ان کو تو حیراں ہو جائے
اس کا ہر رنگ بکھر جائے، پریشاں ہو جائے

آج سے پہلے بھی آئی ہیں بہاریں، لیکن
آج سے پہلے بہاروں میں یہ رعنائی نہ تھی
اس قدر رنگوں میں تنظیم و دل آرائی نہ تھی
اس حسیں روپ میں پہلے تو بہار آئی نہ تھی!
ان بہاروں کا تو انسان تماشائی تھا
لالۂ سوختہ دل لالۂ صحرائی تھا
آج انساں کی مشقت کی بہاریں ہیں یہ ہیں

دستِ انساں ہی کی تابش سے بہاریں ہیں حسین
آج انسان کی محنت نے سنوارا ہے انھیں
اپنی ابرو کے پسینے سے نکھارا ہے انھیں
مدتوں خون سے سینچا ہے، جگر کاری کی
تب کہیں جا کے بہاروں میں یہ رنگ آئے ہیں
طرب افروز نظاروں میں یہ رنگ آئے ہیں

چاہیں جس نام سے فطرت کو پکاریں، لیکن
اک دلیل آج ہے انسان کی فنکاری کی

دستِ محنت نے حقیقت میں بدل دی تخئیل
آج انساں نے بہاروں کی بھی کی ہے تشکیل

نئی پوشاک میں ملبوس ہے ہر ایک درخت
کونپلیں جاگ اٹھیں کلیوں کو تبسم آیا

ہولے ہولے چلی گلشن میں بیاباں میں نسیم
پتّیاں بولیں فضاؤں میں ترنّم آیا
نرگسِ شہلا کی آنکھوں میں بصیرت آئی
اور سوسن کو حسیں طرزِ تکلم آیا!

یہ مہکتے ہوئے میوے، یہ مہکتے ہوئے پھول
یہ زمرّد کا سمندر، یہ پُراسرار سکوں
ہائے جنگل کا یہ عالم کہ گلستاں شرمائے
یہ شگوفوں کی بہاریں، یہ بہاروں کا فسوں
اور جنگل کے شفق رنگ گلابوں کی بہار
آئینہ بن گئی خود فصل بہاراں کے لئے

چند خطّوں ہی کی جاگیر نہیں فصلِ بہار
سچ تو یہ ہے نہیں مخصوص گلستاں کے لئے
جب بھی آتی ہے بیاباں میں بھی آجاتی ہے

○

ہونٹوں پہ آپ کے ہے کماں آہِ سرد بھی
آنکھیں اُداس اُداس ہیں چہرہ ہے زرد بھی

زخموں کے پھول سینے میں کانٹے ہیں پاؤں میں
گلشن پرست بھی ہوں بیاباں نورد بھی

فتنے اگر اُٹھے ہیں تو گھبراؤں کس لئے
دیکھی ہے میں نے راہ گذاروں کی گرد بھی

عیسیٰ نفس کہوں نئے چارہ گروں کو ہیں ؟
دل بھی وہی ہے اور وہی دل کا درد بھی

اہلِ نگاہ ، اہلِ خرد ، اہلِ دل بھی ہیں
یہ تو کہو ، ہے کوئی یہاں اہلِ درد بھی

تجھ سے نگاہِ ناز توقع فضول ہے
جب دل کے کام آ نہ سکا دل کا درد بھی

کشمیر میں بھی لکھنؤ آتی ہے تیری یاد
مجھکو عزیز ہے تری گلیوں کی گرد بھی

محفل میں جب کمالؔ پکارا گیا مجھے
اہلِ جنوں کے ساتھ اُٹھے اہلِ درد بھی

○

چھلک رہی ہے مئے سُرخ آبگینوں میں
دہک رہی ہیں تمنائیں سرد سینوں میں

متاعِ ذوق متاعِ ہنر ہے ان ہی کی
ہزار شعر نکالے گئے جن زمینوں میں

ہر اعتماد کو بے وقت ڈس ہی لیتی ہیں
وہ ناگنیں کہ جو پلتی ہیں آستینوں میں

انھیں نے فن و تخیل کو زندگی دے دی
وہ آرزوئیں کہ جو گھٹ گئی تھیں سینوں میں

ہزار بار میں ٹھکرا چکا ستاروں کو
مرا شمار نہیں ہے بلند بینوں میں

فضا اڑا کے جو لایا ہوں میں ستاروں سے
کمال غرق نہ ہو جائے آبگینوں میں

○

حقیقتوں کا عکس ایک خواب زار ہی نہ ہو
یہ آئینہ بھی زندگی کا رازدار ہی نہ ہو

ھری وہ اک نگاہ کوئی شاہکار ہی نہ ہو
کسی حسین زندگی کا اعتبار ہی نہ ہو

فضاؤں کا سکوت خشک پتیوں کے ساز پر
کسی اُداس لے میں نغمۂ بہار ہی نہ ہو

عروسِ شام کی جبیں پہ سُرخ نیم دائرہ
کسی سُنہرے آفتاب کا مزار ہی نہ ہو

وہ اک نظر جو تیری سمت اُٹھ گئی کبھی
ہماری کم نگاہیوں کی پردہ دار ہی نہ ہو

مجھے تو ہر غمِ حیات ہے نویدِ سرخوشی
سکون کا نشاطِ درد کا خمار ہی نہ ہو

پھوار کے حسین رقص میں نہ آئے زندگی
اگر یہ پتیوں پہ ہلکا سا غبار ہی نہ ہو

سکوں ہماری قوتوں کی برہمی سے کانپ اُٹھا
سکوں ہماری قوتوں کا انتشار ہی نہ ہو

خود اپنی تلخیوں میں زندگی بھی کھو کے رہ گئی
حقیقتوں سے کھیلنا بھی اک فرار ہی نہ ہو

سرود و رقص و جام و ساز و ساقیِ طرب نواز
بہشت بھی تخیّلِ گناہ گار ہی نہ ہو

مجھکو کیا جو گل و لالہ پہ بہار آئی ہے
میری قسمت میں وہی آج بھی تنہائی ہے

آج ہر کوچہ و بازار میں رسوائی ہے
میں نے یہ تیری محبّت کی سزا پائی ہے

چارہ گر بس تری اس چارہ گری کے صدقے
لذّتِ درد ہی اعجازِ مسیحائی ہے

میں نے دیکھا ہے وہ بربادیِ گلشن کا سماں
جب بہار آئی ہے آتے ہوئے گھبرائی ہے

اب تو کلیوں کے چٹکنے پہ گماں ہوتا ہے
دل کے ٹوٹے ہوئے تاروں سے صدا آئی ہے

تیری قربت کا تصوّر ترے وعدے کا خیال
پھر وہی میں ہوں وہی دل وہی تنہائی ہے

کون سمجھے گا مری تشنہ لبی کا مفہوم
جام اٹھایا ہے تو ساقی کو حیا آئی ہے

○

چمن چمن ہے، ہمارا چمن ہے، کیا کہیے
یہاں تسلّطِ زاغ و زغن ہے، کیا کہیے

رسائی ہوتی ہے اس میں بقدرِ سیم و زر
یہ انجمن تو دہی انجمن ہے، کیا کہیے

وہ لوگ جو ہیں شعورِ حیات سے عاری
انھیں بھی زعمِ کمالِ سخن ہے، کیا کہیے

جو لوگ ریشم و اطلس کے تھان بنتے ہیں
انھیں کا جامۂ ہستی کفن ہے، کیا کہیے

یہ ملک ہے جہاں فنکار دق سے مرتے ہیں
یہ ملک جو کہ ہمارا وطن ہے، کیا کہئے
دوا تو کیا ہے کہ روٹی کو بھی ترستے ہیں
یہ قدر دانیٔ اربابِ فن ہے، کیا کہئے

سنوارنا ہے نئے سر سے اس کو آج کی رات
وہ زلفِ ناز شکن در شکن ہے، کیا کہئے

وہ آدھی رات کو کہتے ہیں ہو چکی ہے سحر
اور آفتابِ سحر پہ گہن ہے، کیا کہئے

شعور و عزم ہے سینے کے داغ روشن ہیں
کمالِ قیس نہیں، کوہکن ہے، کیا کہئے

○

کچھ شگفتِ نگہ و دل کے بھی اسباب سہی
ساغرِ مے نہ سہی لالۂ شاداب سہی

اُنگلیوں میں تری رو پوش ہیں نغمے مطرب
ساز پر یونہی سہی اک جنبشِ مضراب سہی

جانتا ہوں کہ ترے وعدے کا حاصل کیا ہے
ایک رات اور تری وجہ سے بے خواب سہی

ہمنشیں وقت گزرتا ہے بڑی مشکل سے
ان کے آنے تلک اک دورِ مئے ناب سہی

میری نظروں کا تقاضہ بھی نہیں ہے کچھ اور
رونمائی کے لئے حسن ہی بے تاب سہی

واہمہ تو نہیں یہ حسنِ تصور ہے کمال
کچھ تو دیکھا ہے حقیقت نہ سہی خواب ہی

○

یہ بُتکدے، یہ ستاروں کے آئینہ خانے
مری نظر نے سنوارے ہیں کتنے ویرانے

ہمارے بعد بھی باقی رہیں گے افسانے
چھلک رہے ہیں چھلکتے رہیں گے پیمانے

یہ رہگذر کہ بہاریں جہاں سے گزری تھیں
بھٹک رہے ہیں اسی رہگذر پہ ویرانے

زمانہ گوش بر آواز اور ہم خاموش
ہمیں کو راس نہ آئے ہمارے افسانے

ہزار بار کمال آئے ہوش میں لیکن
ہزار بار پکارے گئے ہیں دیوانے

○

جنونِ مستی نہ کہئے اس کو حقیقتاً یہ خود آگہی ہے
کوئی مقامِ خرد نہیں ہے مقامِ دار و رسن سے آگے

شفق کی مانند آتشِ گل سے سارے جنگل دہک رہے ہیں
بہار بے ساختہ نکل کر پہنچ چکی ہے چمن سے آگے

ادب کی آفاقیت بھی نعرہ ہے تجکو شاید خبر نہیں ہے
مذاقِ اقدارِ مادّی ہے ترے مذاقِ سخن سے آگے

ہزاروں دشت وجبل ہیں آبادیوں کے امکاں بھی ملیں گے
نظر کا دعویٰ اگر ہے تجھکو نکل کے دیکھ انجمن سے آگے

رسوم وآدابِ بزمِ خوباں کو توڑ دینا ہے کارِ مرداں
مرا گریباں نکل چکا ہے تعیّنِ پیرہن سے آگے

مذاقِ تیشہ زنی ہے آخر مذاقِ شیشہ گری نہیں ہے
کوئی سکندر نہ جا سکے گا کبھی کسی کوہکن سے آگے